

مکاتیب

(۱)

آپ کی جوابی تحریر موصول ہوئی۔ راقم آپ کی پہلی تحریر میں اپنے نکات سے متعلق جوابی سیکشن نہ دیکھ سکا تھا جس کی وجہ سے جواب نہ ملنے کی شکایت کی۔ اس کے لیے معذرت قبول کیجیے۔ قلت وقت کے سبب انتہائی اختصار کے ساتھ چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں:

(۱) آپ کی آخری تحریر سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کم از کم آپ مجاہدین کے اس مقدمے سے متفق ہیں کہ (شرعی حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے) امریکہ پر اقدامی حملہ کرنا شرعاً و اصولاً جائز ہے۔

(۲) آپ کا فرمانا ہے کہ کسی جنگی اقدام کے جہاد کہلانے کی لئے ضروری ہے کہ اس میں کسی بھی شرعی اصول و تعلیم کی خلاف ورزی نہ کی گئی ہو۔ آپ کے نزدیک کیا یہ اصول صرف جہاد کے لیے خاص ہے یا دین کی دیگر تمام اجتماعی صف بندیوں کو پرکھ کر انہیں دینی قرار دینے کے لیے اپنانا بھی ضروری ہے؟ اگر ضروری ہے (جیسا کہ منطقی طور پر ہونا چاہیے) تو کیا ہماری ہم عصر بہت سے ایسی صف بندیوں جنہیں ہم دین کا کام قرار دیتے ہیں، کیا وہ بھی غیر دینی نہ ہو جائیں گی؟ پھر کیا اس اصول پر عمل پیرا ہو کر ہم کسی معاشرے کو کبھی اسلامی کہنے کی پوزیشن میں ہوں گے؟

(۳) اگر آپ کا بیان کردہ اصول ایک شرعی ضابطہ ہے تو اسے لازماً زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہونا چاہیے۔ اس طور پر غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس اصول کو صرف معاصر مجاہدین ہی کے لیے نہیں بلکہ پوری اسلامی تاریخ میں جہاں اور جب بھی کوئی جہادی کارروائی کی گئی، اس پر لاگو کر کے اس پر حکم لگانے کی سخت ضرورت ہے، علی الرغم اس سے کہ اس کی زد میں ٹیپو سلطان آئیں یا پھر سید احمد بریلوی و شاہ اسماعیل شہید۔ (ظاہر ہے سید احمد و شاہ اسماعیل کسی بھی اسلامی سلطنت کے امیر نہ تھے اور آپ کے اصول کے مطابق انہیں علم جہاد بلند کرنے کی ہرگز اجازت نہ تھی)۔ کیا واقعی آپ زمان و مکان سے ماورا ہو کر اس اصول کے مطابق حکم لگانے کے لیے تیار ہیں؟

(۴) آپ کے دلائل سے اندازہ ہوتا ہے کہ دراصل آپ کو Twin Towers پر حملہ کر کے غیر حربی امریکیوں کو مارنے پر اعتراض نہیں، بلکہ حملہ کرنے والوں کے وجہ جواز پر اعتراض ہے، یعنی آپ کے نزدیک مسئلہ یہ نہیں کہ مجاہدین کی کارروائی میں چند غیر حربی امریکیوں کا قتل کیوں ہوا، بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ مجاہدین ایسا کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ گویا اگر صرف حملہ کا وجہ جواز تبدیل کر دیا جائے تو آپ کے نزدیک بھی معاملہ درست ہو جائے گا۔ یعنی اگر Twin Towers پر حملہ کا جواز یہ قرار دیا جائے کہ یہ امریکہ کی شان و شوکت کی علامت تھا، لہذا اس پر حملہ کرنا امریکہ کی عظمت پر حملہ کرنا تھا، البتہ موجودہ ہتھیاروں کے ساتھ غیر حربی کی رعایت کرنا ناممکن ہے تو یہ کارروائی جائز قرار پائے گی۔

(۵) جہاں تک غیر حربی امریکیوں کے قتل کی بات ہے تو اس میں دو امور قابل غور ہیں:

(الف) موجودہ ہتھیاروں کے ساتھ حربی و غیر حربی کی رعایت قریب قریب ناممکن ہے۔ شرع میں بھی اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ اگر مخالفین مسلمانوں کو اپنی ڈھال بنالیں تو ایسی صورت میں ان مسلمانوں کو قتل کر کے کفار سے لڑنا جائز ہے۔ اس سے معلوم ہوا گویا کسی غیر حربی کا قتل ہر صورت میں ناجائز نہیں بلکہ اس طور پر ناجائز لگتا ہے کہ اس کے علاوہ دیگر آپشنز باہولت موجود ہوں لیکن پھر بھی انہیں قتل کر دیا جائے۔

(ب) اس میں کوئی شک نہیں کہ امریکی عوام ایسے حکمرانوں کو باخوشی ووٹ دیتی ہے جو مسلمانوں کا قتل عام کرتی ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ افغانستان پر چلائے جانے والے کئی میزائلوں پر امریکی عوام کے دستخط اور یہ جملے پائے گئے 'a gift from US to Afghanistan'۔ کتب کی عدم دستیابی کی بنا پر راقم کو حوالہ یاد نہیں مگر اسلامی غزوات میں ایسے لوگوں کی مثالیں موجود ہیں جنہیں اس بنا پر قتل کیا گیا کہ وہ اپنی شاعری وغیرہ کے ذریعے کفار کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دلاتے۔ کیا امریکی عوام کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا؟

ان تمام گزارشات کو راقم کی پوزیشن مت سمجھئے گا، یہ محض مجاہدین کا مقدمہ ہے۔

محمد زاہد صدیقی مغل

(۲)

آپ کے ذکر کردہ نکات کے حوالے سے میری گزارشات، بالترتیب، حسب ذیل ہیں:

(۱) درست فرمایا۔ اصولاً امریکہ پر یا کسی بھی دوسرے ملک پر حملہ کرنا جائز ہے، بشرطیکہ شرعی شرائط اور حدود کا لحاظ رکھا جائے، مثلاً جنگ کا شرعی جواز موجود ہو، حملے کا فیصلہ ایسی انتھارٹی نے کیا ہو جو شرعاً اس کی مجاز ہو، حملے میں کسی معاہدے کی خلاف ورزی نہ کی گئی ہو اور آداب القتال یعنی دوران جنگ کے شرعی و اخلاقی ضوابط کی پاس داری کی جائے۔ مزید برآں حملے کے نتیجے میں مسلمانوں کے جانی و مالی نقصان کا پہلو ملحوظ رکھنا اگر قانونی و فقہی طور پر نہیں تو حکمت و سیاست شرعیہ کی رو سے بہر حال ضروری ہے۔ اگر تو کوئی مخصوص گروہ اپنی حد تک نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر کوئی ایسا اقدام کرنا چاہتا ہے جس کے اثرات اسی تک محدود رہیں گے تو یہ اس کا اجتہادی اختیار ہے، لیکن اگر اس کے اقدام کے نتائج ان لوگوں پر بھی مرتب ہو سکتے ہیں جو اقدام کے فیصلے میں شریک نہیں اور اس کے نتائج کی ذمہ داری بھی انھوں نے قبول نہیں کی تو یہ بات شرعاً و اخلاقاً درست نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی باقاعدہ ریاست جنگ کا فیصلہ کر رہی ہے تو بھی وہ اپنی رعایا کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ دار ہے اور حکومتی سطح پر کوئی بھی اقدام کرتے ہوئے قوم پر مرتب ہونے والے نتائج کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

(۲) اس کا تعلق شرعی اصول کی خلاف ورزی کی نوعیت سے ہے۔ اگر خلاف ورزی شخصی اور انفرادی سطح کی ہے تو اس کے مطابق حکم لگے اور اگر پوری جدوجہد کی اساس کسی خلاف شرع امر پر استوار ہے تو حکم اس کے مطابق لگے گا۔ یہ نہ تو کوئی معیار ہے اور نہ دین کا تقاضا کہ دین کے نام پر کی جانے والی کوئی ایسی جدوجہد بالفعل پائی جاتی ہو جسے ضرورت دینی یا اسلامی کہا جائے۔ اصل چیز دینی و اخلاقی معیار ہے۔ اگر اس پر کوئی عملی جدوجہد پورا نہیں اترتی تو یہ کوئی اصول نہیں کہ اس معیار کو اس لیے نظر انداز کر دیا جائے کہ پھر ہم دینی یا اسلامی جدوجہد کس کو کہیں گے؟ بحیثیت مجموعی معاشرے کو بھی اسی اصول پر دیکھنا چاہیے۔ وہ جن پہلوؤں سے اسلامی اصولوں پر استوار ہو، اس حد تک اسے اسلامی کہا جائے، جبکہ باقی پہلوؤں میں بہتری کی کوشش جاری رکھی جائے۔

(۳) نکتہ نمبر ۲ کے تحت کسی معاملے پر شرعی یا غیر شرعی کا حکم لگانے کا جو اصول بیان کیا گیا ہے، یقیناً اس کا اطلاق زمان و مکان کی قید کے بغیر ہر معاملے پر ہوگا، خواہ اس کی زد میں کوئی بھی آئے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے اپنے عہد میں رونما ہونے والے ایسے واقعات پر جو صحابہ کے ہاتھوں سرزد ہوئے، یہ حکم لگانے میں کوئی رعایت نہیں تو بعد کی کسی شخصیت یا کارروائی کو بھی کوئی استثناء نہیں دی جاسکتی۔ البتہ کسی مخصوص معاملے میں شرعی اصول کی خلاف ورزی فی الواقع ہوئی ہے یا نہیں، یہ ضرور دیکھ لینا چاہیے۔ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی جس سے یہ اخذ کیا جاسکے کہ چونکہ ”سید احمد و شاہ اسماعیل کسی بھی اسلامی سلطنت کے امیر نہ تھے“ اس لیے ”انہیں علم جہاد بلند کرنے کی ہرگز اجازت نہ تھی۔“ میرے نزدیک جہاد کا اقدام کرنے کے لیے کسی باقاعدہ سلطنت یا ریاست کا وجود ضروری نہیں۔ کوئی منظم گروہ بھی، مطلوبہ شرائط کے ساتھ، ایسا اقدام کر سکتا ہے۔ البتہ اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ وہ گروہ یا تو کسی آزاد خطے کو اپنا مرکز بنائے یا کسی ایسے علاقے کو جہاں پہلے سے قائم نظم اجتماعی، چاہے وہ قبائلی طرز کا ہو یا ریاست اور حکومت کی صورت میں، اس کے اقدامات کی علانیہ تائید اور پشت پناہی کرتا ہو اور ان کے نتائج کی ذمہ داری بھی قبول کرنے کے لیے تیار ہو۔ سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید کی جدوجہد کی تفصیلات باریکی کے ساتھ اس وقت پیش نظر نہیں ہیں کہ متعین طور پر کوئی رائے دی جاسکے، البتہ اصولی طور پر یہ بات واضح ہے کہ اگر ان کی جدوجہد میں کسی بھی شرعی اصول کی خلاف ورزی ہوئی ہے تو اس کے مطابق حکم یقیناً لگے گا۔

نکتہ نمبر ۴ اور ۵ کے جواب میں گزارش ہے کہ اگر دشمن نے شہری آبادی کو یا کسی غیر حربی مقام یا عمارت کو اپنے لیے ڈھال بنا رکھا ہو اور ان کے حملے کی زد میں آئے بغیر جنگی ہدف کا حصول ممکن نہ ہو تو ضمنی نقصان کے طور پر ایسی ہلاکتوں کا شریعت اور موجودہ بین الاقوامی قانون میں جواز موجود ہے، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ایسا کرنا ناگزیر ہو، بے گناہوں کو حتی الامکان حملے سے بچانے کی کوشش کی جائے اور جنگی ضرورت کے حد تک ہی نقصان گوارا کیا جائے۔

جہاں تک حربی ہدف کے علاوہ شان و شوکت رکھنے والے کسی مقام کو نشانہ بنانے کا تعلق ہے تو اس کے جواز کے لیے دو شرطوں کا پورا کیا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے:

ایک یہ کہ اس مقام پر جو غیر مقاتلین مصروف عمل ہوں، انہیں پیشگی متنبہ کر دیا جائے کہ یہ جگہ حملے کا ہدف ہے، اس لیے وہ یہاں موجود رہنے سے گریز کریں۔ حربی ہدف پر حملے کے لیے ایسی کسی پیشگی تنبیہ کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ ایسے مقام پر موجود لوگ اصلاً مقاتلین ہوتے ہیں جن پر حملہ کرنا جائز ہے، لیکن غیر حربی ہدف کو نشانہ بنانے کے لیے اس کا اہتمام اس لیے ضروری ہے کہ وہاں اصلاً غیر مقاتلین مصروف عمل ہوتے ہیں جنہیں حملے سے محفوظ رکھنا حتی الامکان ضروری ہے۔ اگر ایسے کسی مقام کو جو اصلاً غیر مقاتلین کی غیر حربی سرگرمیوں کا مرکز ہو، کسی پیشگی تنبیہ اور وہاں سے بحفاظت نکل جانے کا موقع دیے بغیر حملے کا نشانہ بنایا جائے تو یہ دہشت گردی ہوگی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اگر کسی فریق نے حالت جنگ میں کچھ مخصوص قوانین اور ضوابط کی پابندی کسی معاہدے کے تحت قبول کر رکھی ہے جن کی رو سے حربی اہداف کے علاوہ دوسرے مقامات اور عمارتوں پر حملے کی اجازت نہیں تو ان کی پاس داری بھی ایفائے عہد کے اصول کی رو سے ضروری ہے۔

براہ راست جنگ میں حصہ نہ لینے والے لوگ اگر عام شہری ہیں تو ان کی خاموش تائید کو ان پر حملے کا جواز نہیں بنایا جاسکتا۔ میں اپنی سابقہ تحریر میں واضح کر چکا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جنگ میں دشمن کے لشکر کے ساتھ آنے والی خواتین، غلاموں اور مزدوروں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے، حالانکہ وہ ایک مفہوم میں اپنے لشکر کی مدد ہی کر رہے ہوتے

ہیں۔ ہاں، دشمن کے ایسے اہل الرائے اور اثر و رسوخ رکھنے والے لوگ جو اپنی رائے، مشورے یا خطیبانہ صلاحیتوں سے جنگ کو بھڑکانے یا اپنی فوج کا مورال بلند کرنے یا جنگ میں کامیابی حاصل کرنے میں اپنا کردار ادا کر رہے رہوں، انہیں قتل کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ عہد نبوی کے بحولہ بالا واقعات میں کیا گیا۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ معین طور پر انہی مخصوص افراد کو، نہ کہ بلا تمييز سب عوام کو، نشانہ بنایا جائے جو یہ کردار ادا کر رہے ہوں۔ مذکورہ واقعات میں یہی طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ مزید برآں یہاں بھی یہ شرط لاگو ہوگی کہ اگر کسی فریق نے حالت جنگ میں کچھ مخصوص قوانین اور ضوابط کی پابندی کسی معاہدے کے تحت قبول کر رکھی ہے جو اسے جنگ میں بالفعل حصہ لینے والوں کے علاوہ دوسرے افراد کو نشانہ بنانے سے روکتے ہیں تو ان کی پاس داری بھی ایسے عہد کے اصول کی رو سے ضروری ہوگی۔

امریکی عوام کو ایسے افراد پر قیاس کر کے ان پر براہ راست حملے کا جواز تسلیم کرنے میں مانع یہ ہے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ 'خاموش تائید' کا ذمہ دار کہا جاسکتا ہے۔ پھر حتمی طور پر یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ 'a gift from US to Afghanistan' کا پیغام امریکی عوام ہی کی طرف سے دیا گیا نہ کہ ان کی افواج کی طرف سے۔ اور اگر بعض عوام نے ہی دیا ہو تو وہ متعین طور پر معلوم نہیں ہیں، جبکہ امریکی عوام ہی کی ایک بڑی تعداد اپنی حکومت کی پالیسیوں کے خلاف اپنی ناراضی اور احتجاج باقاعدہ ریکارڈ کرا چکی ہے۔ ایسی صورت میں کچھ عوام کے پیغام کو بنیاد بنا کر بلا تمييز تمام امریکی عوام پر حملے کا جواز ثابت کرنا شرعاً و عقلاً قابل فہم نہیں ہے۔

محمد عمار خان ناصر

(۳)

جناب عمار ناصر صاحب

السلام علیکم۔ لنک ارسال کرنے کا شکریہ۔

ہمارے مذہبی حلقے بد قسمتی سے تاریخ کا مطالعہ بھی غالباً وقت کا ضیاع گردانتے ہیں۔ کیا انہوں نے کبھی غور کیا ہے کہ طالبان کم و بیش صرف ایک ہی لسانی گروہ پر کیوں مشتمل ہیں؟ میرا ایک مضمون جو نوائے وقت میں شائع ہوا ہے، اس پر کچھ روشنی ڈالتا ہے۔ اس کا لنک یہ ہے:

<http://columns-izharulhaq.blogspot.com/2010/09/blog-post.html>

اس موضوع پر میرا ایک مضمون آسٹریلیا کے وسیع انگریزی روزنامے "دی ایجن" میں بھی شائع ہونے والا ہے۔

محمد اظہار الحق

izhar@izharulhaq.net

(۴)

محترم جناب عمار خان ناصر صاحب

السلام علیکم! امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔

الشریعہ کا تازہ شمارہ پڑھنے کو ملا اور جہاد افغانستان کے حوالہ سے علمی مباحثہ کا مطالعہ کیا۔ خود کش حملوں کے جواز اور اس کے فوراً بعد افغانستان جہاد میں حکمت عملی کے بارے جو گفتگو آپ نے فرمائی ہے، وہ ایسے ہی محسوس ہوتا ہے جیسے راقم کے دل کی آواز تھی جسے آپ نے الفاظ کا جامہ پہنا دیا۔ آپ کی نکتہ رسی اور فقیہی بصیرت واقعاً قابل ستائش ہے۔ اللہ آپ کے علم

_____ ماہنامہ الشریعہ (۴۲) نومبر ۲۰۱۰ _____

و فضل میں برکت عطا فرمائے۔

جہاں تک طالبان کے جہاد کو کہنے یا نہ کہنے کے بارے اختلاف کا مسئلہ ہے تو کم از کم افغانستان میں امریکہ کے محاربین، نہ کہ طالبان مخالف مسلمان جہادی گروہوں، کے خلاف جنگ میرے خیال میں جہاد کہلائی جانے کی مستحق ہے اور اسے جہاد کہنا چاہیے، قطع نظر اس سے کہ طالبان نے اسامہ کو امریکہ کے حوالے نہ کر کے کوئی اجتہادی غلطی کی ہے یا نہیں کی۔ اجتہادی غلطی کو بھی اجتہاد ہی کہتے ہیں، یعنی بعض اوقات کسی فعل میں غلطی سے اس فعل پر اس کی متعلقہ اصطلاح کے اطلاق میں کوئی شرعی مانع موجود نہیں ہوتا، جیسا کہ اجتہاد میں غلطی بھی اجتہاد ہی کہلاتا ہے، لہذا جہاد میں اجتہادی، سیاسی، حکمت عملی کی خطا کم از کم اس کو جہاد کہنے میں مانع نہیں ہونی چاہیے جبکہ اس کے بقیہ اصولوں کی پاسداری کی جا رہی ہو۔

بحث بہر حال دلچسپ تھی۔ موقع ملا تو تفصیلی طور پر کچھ گزارشات پیش کروں گا۔ واللہ اعلم بالصواب

حافظ محمد زبیر

قرآن اکیڈمی، لاہور

(۵)

محترم و مکرم حضرت مولانا عمار خان ناصر صاحب حفظہ اللہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

”الشریعہ“ کی موجودہ پالیسی سے اختلاف و اتفاق سے قطع نظر، بقول مولانا مفتی محمد زاہد ”اسلامی حمیت“ کے اس دور میں نہایت حساس مسائل کو ایسے انداز میں زیر بحث لانا جس سے ”اسلامی حمیت کے فقدان“، ”انگیزا کے فکری ایجنٹ“ اور ”اکابر کے جادہ مستقیم سے برگشتہ“ ہونے کا تاثر ملتا ہے، اگرچہ عند البعض اسلامی طریقہ نہ ہو مگر بہت بڑی علمی جرات۔ خصوصاً ”اسلامی عسکریت“ کے موضوع پر روایتی رجحانات سے ہٹ کر کوئی اور موقف اختیار کرنا اس جذباتی دور میں انے پروانہ موت پر خود دستخط کرنے کے مترادف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس تحریری صلاحیت اور قوت بیان کی نعمت سے نوازا ہے، ہم جیسے طالب علم ہر شرارے میں آپ کی تحریر کو تلاش کرتے رہتے ہیں۔ ۲۰۰۳ء سے اب تک آپ کی جو نگارشات نظر نواز ہوئی ہیں، ان کی روشنی میں بندہ کے دو تاثرات ہیں:

(۱) اپنے ”جمہور مخالف موقف“ کے رد عمل میں تمام تند و تیز تبصروں، خطوط اور ناقدانہ تجزیوں کو آپ کمال حوصلہ کے ساتھ پڑھتے اور شائع کرتے رہتے ہیں۔ یہ آپ کی وسعت ظرفی کی بین دلیل ہے۔

(۲) مگر یاد نہیں پڑتا کہ فریق مخالف کے دلائل و براہین کے پیش نظر آپ نے اپنے موقف سے رجوع فرمایا ہو۔ (یقیناً اس کی کوئی معقول وجہ آپ کے پاس ہوگی۔) خدا داد ذہنی و علمی صلاحیت اور جولانی تحریر کو بروے کار لا کر ہر حال میں آپ ثابت قدم رہنا چاہتے ہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ایسے ہی مواقع پر آپ کا تحریری باکپن اپنے عروج پر ہوتا ہے۔ ہاں اگر بہت مجبوری کے عالم میں ماننا پڑے تو نہایت نپے تلے انداز میں صرف کچھ قریب آنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ مثلاً حالیہ افغان جنگ کی شرعی حیثیت کے تعین میں آپ اسے جہاد قرار دینے سے گریز فرما رہے ہیں، مگر دوسرے قرآن و دلائل جب سامنے آئے تو آنجناب نے صرف اتنا کہنے پر اکتفا فرمایا کہ:

”مذکورہ پہلو سامنے آنے کے بعد طالبان کی حکمت عملی پر سخت تحفظات کے باوجود میرے خیال میں ان کی موجودہ